عذاب، انجام یا آزمایش؟

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

انسانی زندگی اور تاریخ آزمایشوں، مصیبتوں اور ناقابلِ تصور حوادث سے گندھی ہوئی ہے۔ اکثر اوقات یہ آزمایشیں انسانوں کے لیے ایک اچانک حادثہ قرار دی جاتی ہیں کہ ایسے بھیانک منظر کا قبل ازیں تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ پھر لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مصائب و مشکلات بعض اوقات سرزنش اور عذاب کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ مگر عذاب کی سی اُس صورتِ حال کو ظاہر بین اور الٰہی ہدایت سے بے نیاز لوگ محض 'حادثہ' ہی قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ حادثے سے بہت بڑی افتاد اور ہلامارنے کا لامتناہی سلسلہ ہوتا ہے۔ اکثر مصائب تو خود انسانوں کے ہاتھوں پرورش پاتے اور پھر اسی انسان کو بلاخیزی سے کچل ڈالتے ہیں۔ ایسے مصائب و حوادث قدرتِ حق کی جانب سے، باغی و سرکش انسان کی بددماغی پر کھلی تنبیہ ہوتے ہیں۔

بہرحال، گذشتہ ڈیڑھ دو ماہ کے دوران اس کرۂ ارضی پر ''نوول کرونا وائرس' اس انداز سے رُونما ہوا، چاروں طرف پھیلا اور جان لیوا تباہی کا طوفان بن کر یوں مسلط ہوا ہے کہ دہشت، خوف، بے بسی اور بے چارگی نے 'انسان عظیم ہے' کے غبارے کو ٹکڑوں میں بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس چیز کو آزمایش کہیں یا عذاب قرار دیں؟ قدرتی طور پر یا خود انسان کے ہاتھوں پیدا کردہ آفات کو اللہ کا عذاب قرار دینے کا ہم کو حق نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم متعین طور پر فیصلہ نہیں دے سکتے کہ قوموں کی تباہی کے قانون کے رازدان اللہ کے پیغمبر علیہم السلام ہی تھے، لیکن چند در چند علامتوں سے نتائج ضرور اخذ کر سکتے ہیں۔

یہ امرِ واقعہ ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سو برس کے دوران، ایک طرف انسان نے جہاں سائنس، میڈیکل، خلائی اسرار، فنون اور ضرب وحرب کے میدان میں ناقابلِ تصور ترقی کی۔ دوسری طرف ہزاروں برسوں پر پھیلے اخلاقیات والٰہی ہدایات پر مبنی فکری وعملی اور تہذیبی وسماجی ڈھانچے کو برباد کرنے کا پاگل پن بھی اسی انسان کے دماغ میں جڑ پکڑنے لگا۔ اس فساد کے پھول، پھل لانے کے لیے خدا کی ہستی کا انکار ضروری قرار دیا گیا اور الٰہی ہدایت کو ایک واہمہ اور افسانہ قرار دینا عقل و دانش کی علامت سمجھا جانے لگا۔ فوجی، سیاسی، مادی، سائنسی اور مالی قوت کو حتمی سچائی قرار دے کر انسانیت کے چیتھڑے اڑانے کو 'طاقت کا قانون' قرار دیا گیا، جس کی بدنما مثال 'ویٹو کلب' اور عالمی مالیاتی وتجارتی کلب کے کرتا دھرتا ہیں۔ جو من مانے فیصلے کر کے کمزور ملکوں اور قوموں کو روند ڈالتے ہیں۔ جب جی چاہے کیمیائی، جوہری، جراثیمی ہتھیار و آلات بنا کر فضائی آلودگی پھیلانے اور ماحولیاتی توازن بگاڑنے کی دھونس جماتے ہیں۔ اس طرح قوت اور اخلاقیات سے بغاوت پر مبنی 'جدید جاہلیت' نے 'عصرِ جدید' کو تشکیل دیا ہے۔ اسی عصرِ جدید کے مظہر ۱۹۸ ممالک، آج 'کرونا وائرس' کے نہایت حقیر وجود کے سامنے اپنی بے بسی اور درماندگی میں موت اور تباہی کے شکنجے کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

یہاں پر مولانا سیّدابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) کی دو تحریروں کے کچھ حصّے پیش کیے جارہے ہیں، جن کا موضوع براہِ راست موجودہ منظرنامہ تو نہیں ہے، لیکن اس طوفان و آزمایش یا تاریخ کے ناقابلِ تصور امتحان پر غور وفکر کا سامان ضرور موجود ہے: پہلا حصّہ انھوں نے ستمبر ۱۹۳۳ء میں تحریر فرمایا تھا اور دوسرا حصّہ تفہیم القرآن کے لیے اگست ۱۹۶۱ء میں تحریر کیا تھا۔ (ادارہ)

[۱]

قرآنِ مجید میں جگہ جگہ ان قوموں کا ذکر آیا ہے، جن پر گذشتہ زمانے میں اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ ہر قوم پر نزولِ عذاب کی صورت مختلف رہی ہے: عاد پر کسی طرح کا عذاب اُترا،

ثمود پر کسی اور طرح کا، اہلِ مدین پر کسی دوسری صورت میں، آلِ فرعون پر ایک نئے انداز میں۔ مگر عذاب کی شکلیں اور صورتیں خواہ کتنی ہی مختلف ہوں، وہ قانون جس کے تحت یہ عذاب نازل ہوا کرتا ہے ایک ہی ہے اور ہرگز بدلنے والا نہیں:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ (احزاب ۳۳: ۶۲) یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے، اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

نزولِ عذاب کے اس قانون کی تمام دفعات پوری تشریح کے ساتھ قرآنِ مجید میں درج ہیں۔ اس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی خوش حالی بڑھ جاتی ہے، تو وہ غلط کاری اور گمراہی کی طرف مائل ہوجاتی ہے اور خود اس کی عملی قوتوں کا رُخ صلاح سے فساد کی طرف پھر جایا کرتا ہے:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۶) اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ اس بستی میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ بستی عذاب کے حکم کی مستحق ہوجاتی ہے۔ پھر ہم اس کو تباہ و برباد کرڈالتے ہیں۔

دوسرا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ خدا کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا۔ بدکار قوم خود ہی اپنے اُوپر ظلم کرتی ہے۔ خدا کسی قوم کو نعمت دے کر اس سے کبھی نہیں چھینتا۔ ظالم قوم خود اپنی نعمت کے درپئے استیصال ہوجاتی ہے اور اس کے مٹانے کی کوشش کرتی ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ (انفال ۸: ۵۳) یہ اللہ کی اُس سنت کے مطابق ہے کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو، اُس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ (التوبہ ۹: ۷۰) پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ آپ ہی اپنے اُوپر ظلم کرنے والے تھے۔

پھر یہ بھی اسی قانون کی ایک دفعہ ہے کہ خدا ظلم (برنفسِ خود) پر مواخذہ کرنے میں جلدی

نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور تنبیہیں کرتا رہتا ہے کہ نصیحت حاصل کریں اور سنبھل جائیں:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل ۱۶:۶۱) اگر کہیں اللہ، لوگوں کو ان کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو روے زمین پر کسی متنفّس کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ سب کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (انعام ۶:۴۲-۴۳) تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسولؑ بھیجے اور ان قوموں کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ پس، جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انھوں نے عاجزی اختیار کی؟ مگر ان کے دل تو سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، خوب کر رہے ہو۔

اس ڈھیل کے زمانے میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظالم قوموں کو خوش حالی کے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس سے دھوکا کھا جاتی ہیں اور واقعی یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ ہم ضرور نیکوکار ہیں ورنہ ہم پر نعمتوں کی بارش کیوں ہوتی؟

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝ (المومنون ۲۳:۵۵-۵۶) کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انھیں مال اولاد سے مدد دیے جا رہے ہیں، تو گویا انھیں بھلائیاں (فائدے) دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انھیں شعور نہیں ہے۔[1]

---

[1] بعض نادان لوگ جو خدا کی سنت کو نہیں سمجھتے، ان کی خوش حالی کو دیکھ کر اس احمقانہ غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ ''ضرور یہ لوگ مومن اور صالح اور خلیفۂ الٰہی ہیں، ورنہ ان کو زمین کی وراثت کیسے مل جاتی''۔ لیکن دیکھیے کہ قرآن ان لوگوں کی تردید کس طرح کرتا ہے، جو محض دُنیوی خوش حالی کو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ

آخرکار جب وہ قوم کسی طرح کی تنبیہہ سے بھی نہیں سنبھلتی اور ظلم کیے ہی جاتی ہے، تو خدا اس کے حق میں نزولِ عذاب کا فیصلہ کر دیتا ہے، اور جب اس پر عذاب کا حکم ہوجاتا ہے تو کوئی قوت اس کو نہیں بچا سکتی:

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا۝۵۹ (الکہف ۱۸:۵۹) یہ عذاب رسیدہ بستیاں تمھارے سامنے موجود ہیں، انھوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، اور ان میں سے ہر ایک کی ہلاکت کے لیے ہم نے وقت مقرر کر رکھا تھا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۝۱۰۲ (ھود۱۱:۱۰۲) اور تیرا ربّ جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۝۱۱ (الرعد ۱۳:۱۱) اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے، تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہوسکتا ہے۔

یہ عذابِ الٰہی کا اٹل قانون جس طرح پچھلی قوموں پر جاری ہوتا رہا ہے، اسی طرح آج بھی اس کا عمل جاری ہے۔ اور اگر بصیرت ہو تو آج آپ خود اپنی آنکھوں سے اس کے نفاذ کی کیفیت ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ مغرب کی وہ عظیم الشان قومیں جن کی دولت مندی و خوش حالی، طاقت و جبروت، شان و شوکت، عقل و ہنر کو دیکھ دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں، اور جن پر انعامات کی پیہم بارشوں کے مشاہدے سے یہ دھوکا ہوتا ہے، کہ شاید یہ خدا کے بڑے ہی مقبول اور چہیتے بندے اور خیر و صلاح کے مجسّمے ہیں، ان کی اندرونی حالت پر ایک غائر نگاہ ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اس عذابِ الٰہی کے قانون کی گرفت میں آچکی ہیں۔ اور انھوں نے اپنے آپ کو خود اپنے انتخاب و اختیار سے اس دیوِظلم (ظلم برنفسِ خود) کے چنگل میں پوری طرح پھنسا دیا ہے، جو تیزی کے ساتھ انھیں تباہی و ہلاکت کی طرف لیے چلا جارہا ہے۔

وہی صنعت و حرفت کی فراوانی، وہی تجارت کی گرم بازاری، وہی وبائے سیاست کی

کامیابی، وہی علومِ حکمیہ وفنونِ عقلیہ کی ترقی، وہی نظامِ معاشرت کی سربفلک بلندی،جس نے ان قوموں کو دنیا پر غالب کیا، اور روے زمین پر ان کی دھاک بٹھائی، آج ایک ایسا خطرناک جال بن کر ان کو لپٹ گئی ہےجس کے ہزاروں پھندے ہیں اور ہر پھندے میں ہزاروں مصیبتیں ہیں۔ وہ اپنی عقلی تدبیروں سے جس پھندے کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کا ہر تار کٹ کر ایک نیا پھندا بن جاتا ہے، اور رہائی کی ہر تدبیر مزید گرفتاری کا سبب ہوجاتی ہے ؏

از سر گرہ زند گرہِ ناکشودہ را

یہاں ان تمام معاشی اور سیاسی اور تمدنی مصائب کی تفصیل کا موقع نہیں ہے،جن میں مغربی قومیں اس وقت گرفتار ہیں۔ بیانِ مدّعا کے لیے اس تصویر کا ایک پہلو پیش کیا جاتا ہے،جس سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ قومیں کس طرح اپنے اُوپر ظلم کررہی ہیں اور کس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کیے جارہی ہیں۔

اپنے معاشی، تمدنی اور سیاسی احوال کی خرابی کے اسباب تشخیص کرنے اور ان کا علاج تجویز کرنے میں اہلِ فرنگ سے عجیب عجیب غلطیاں ہورہی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات کا بڑا بلکہ اصل سبب آبادی کی کثرت کو سمجھنے لگے اور ان کو اس کا صحیح علاج یہ نظر آیا کہ افزایش نسل کو روکا جائے، معاشی مشکلات کے ساتھ ساتھ یہ خیال نہایت تیزی کے ساتھ مغربی ممالک میں پھیلنا شروع ہوا، اور دلوں میں کچھ اس طرح بیٹھا کہ لوگ اپنی نسل کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھنے لگے، یا بالفاظِ دیگر اپنی نسل کے سب سے بڑے دشمن بن گئے۔

چنانچہ، ضبطِ ولادت کے نئے نئے طریقے جو پہلے کسی کے ذہن میں بھی نہ آتے تھے، عام طور پر رائج ہونے شروع ہوئے۔ اس تحریک کو ترقی دینے کے لیے نہایت وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کی گئی۔ کتابیں، پمفلٹ، رسائل اور جرائد خاص اسی موضوع پر شائع ہونے لگے۔ انجمنیں اور جمعیتیں قائم ہوئیں۔ ہرعورت اور مرد کو اس کے متعلق معلومات بہم پہنچانے، اور عملی آسانیاں فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا۔غرض یورپ اور امریکا کے عمرانی 'مصلحین' نے اپنی نسلوں کے خلاف ایک زبردست جنگ چھیڑ دی اور 'جوشِ اصلاح' میں ان کو یہ سوچنے کا ہوش بھی نہ آیا کہ آخر یہ جنگ

کہاں جا کر رُکے گی۔ [۱]

اہلِ فرنگ نے کیا اس کا اطمینان کرلیا ہے کہ کسی روز مغربی افریقہ کے مچھر، زرد بخار کے جراثیم لیے ہوئے خود انھی کے ہوائی جہازوں پر بیٹھ کر یورپ نہ پہنچ جائیں گے؟ کیا انھوں نے اس کی کوئی ضمانت لے لی ہے کہ کبھی یورپ میں [یا دُنیا میں کہیں بھی] اچانک انفلوائنزا، طاعون، ہیضہ اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض میں سے کوئی مرض نہ پھیل جائے گا؟ کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ ایک دن یکا یک فرنگی سیاست کے باروت خانوں میں سے کسی ایک میں ویسی ہی کوئی چنگاری نہ آ پڑے گی، جیسی ۱۹۱۴ء میں سرائیوو میں گری تھی [۲] اور پھر فرنگی قومیں خود اپنے ہاتھوں

---

[۱] اس مقصد کے لیے 'عصر جدید' یا 'جدید جاہلیت' نے خاندان کا نظام توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ 'صنفی حقوق کی جنگ' کے نام پر عورت ہی کی زندگی کھلونا بنادی۔ ہم جنسی کے فروغ کے لیے نام نہاد قانون سازی کی گئی۔ بے حیائی کو آرٹ قرار دیا گیا۔ محرموں سے زنا کی لت (incest) کے فروغ، جانوروں سے انسانیت سوز تعلق کو فطری انتخاب سمجھا اور خانگی زندگی کو آخری ٹھوکر لگانے کے لیے نطفہ بنکوں کو رواج دیا گیا۔ (ادارہ)

[۲] جدید حاکم و غالب تہذیب نے گذشتہ ایک سو برس کے دوران انسانیت پر جو بدترین مظالم ڈھائے، ان کے ذکر کے لیے دفتر کم پڑ جائیں، یہاں پر یہ چند مثالیں دیکھیے: ● ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو سرائیوو سے پہلی جنگ عظیم کی آگ بھڑکائی، جو ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء تک کے زمانے پر پھیل گئی۔ اس جنگ میں ۹۹ لاکھ ۱۱ ہزار سے زائد فوجی اور ۷۷ لاکھ سے زائد عام شہری ہلاک ہوئے۔ اور پھر ۲۱ برس بعد، یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کے دوران دوسری جنگِ عظیم برپا کی، جس نے پوری دنیا کو اس طرح تباہ کیا کہ ۲ کروڑ ۱۴ لاکھ سے زائد فوجی اور ۷ کروڑ ۳۰ لاکھ سے زائد عام شہری ہلاک ہوئے۔ ● روسی تاریخ کے ماہر انتون اناتوف اوسینکو کے مطابق: 'نئی اخلاقیات' کی علَم بردار اشتراکی تحریک نے روسی اشتراکی سلطنت میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۵۳ء کے دوران ۲ کروڑ سے زائد ہم وطنوں یا اپنے مقبوضہ علاقے کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ ● اشتراکی چین پر اتھارٹی ڈاکٹر فرینک ڈکوٹر کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق اشتراکی چین میں برپا ثقافتی انقلاب (۱۹۶۶ء-۱۹۷۶ء) کے دوران ساڑھے چار کروڑ لوگوں کو مار ڈالا گیا۔ ● ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء کے دوران اشتراکی روس نے افغانستان پر جنگ مسلط کر کے ایک لاکھ مجاہدین اور ۱۷ لاکھ افغان شہریوں کو قتل کیا۔ ● اسی دوران امریکی سرپرستی میں عراق کے ہاتھوں ایران پر خونیں جنگ مسلط کی گئی، جو ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء سے ۲۰/اگست ۱۹۸۸ء کے دوران برپا رہی۔ اور اس میں دونوں جانب سے ۱۲ لاکھ فوجی ہلاک ہوئے۔ ● پھر اکتوبر ۲۰۰۱ء سے تاحال امریکا کی مسلط کردہ نام نہاد 'دہشت گردی کے خلاف ←

سے وہ سب کچھ نہ کرگزریں گی جو کوئی وبا اور کوئی بیماری نہیں کرسکتی؟ اگر ان میں سے کوئی صورت بھی پیش آگئی اور دفعتاً یورپ کی آبادی سے چند کروڑ آدمی قتل یا ہلاک یا ناکارہ ہوگئے تو اس وقت یورپ کے باشندوں کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اپنے آپ کو خود کس طرح تباہ کیا:

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ؁ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ؁ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ؁ (اعراف۷: ۹۷ تا ۹۹) پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی، جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انھیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا، جب کہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے، جو تباہ ہونے والی ہوتی ہے۔

ایسی ہی ایک قوم اب سے تین ہزار برس پہلے عرب کے جنوبی ساحل پر آباد تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں سبا کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس قوم کی گھنی آبادی کا سلسلہ سواحلِ بحرہند سے سواحلِ بحراحمر تک پھیلا ہوا تھا۔ ہندستان اور یورپ کے درمیان جتنی تجارت اس زمانے میں ہوتی تھی، وہ سب اسی قوم کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے تجارتی قافلے جنوبی ساحل سے مال لے کر چلتے تو مغربی ساحل تک مسلسل بستیوں اور باغوں کی چھاؤں میں چلے جاتے تھے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ؁ (السبا ۳۴: ۱۸) اور ہم نے ان کے اور اُن بستیوں کے درمیان، جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں بستیاں بسا دی تھیں اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں۔ چلو پھرو، ان راستوں میں رات

← عالمی جنگ' میں عملاً نشانہ، دُنیا بھر کے مسلمان بنے ہیں۔ جس میں ایک اندازے کے مطابق ۱۵ لاکھ مسلمانوں کو مار ڈالا گیا، اور کروڑوں مسلمانوں کو ناپسندیدہ 'مخلوق' کی شکل میں پیش کرکے، گوناگوں طریقوں سے بدترین مذہبی اور نسلی نفرت کا نشانہ بنایا گیا (ادارہ)۔

دن پورے امن کے ساتھ۔

مگر انھوں نے اللہ کی اس نعمت کو مصیبت سمجھا اور چاہا کہ ان کی یہ گھنی، متصل، مسلسل بستیاں کم ہوجائیں اور ان کا باہمی فصل بڑھ جائے:

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (السبا ۳۴:۱۹) انھوں نے کہا: ''اے ہمارے ربّ، ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے''۔ انھوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔

یہاں لفظ بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا سے پتا چلتا ہے کہ تجارتی خوش حالی کی وجہ سے جب آبادی بڑھی اور بستیاں گنجان ہوگئیں تو وہاں بھی یہی سوال پیدا ہوا تھا، جو آج یورپ میں پیدا ہوا ہے۔ اور وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے اشارہ ملتا ہے کہ شاید انھوں نے بھی مصنوعی تدبیروں سے آبادی گھٹانے کی کوشش کی ہوگی۔ پھر ان کا حشر کیا ہوا؟

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ (السبا: ۱۹) [آخر کار ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انھیں بالکل ہی تتر بتر کر دیا۔ یقیناً، اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے، جو بڑا صابر و شاکر ہو۔]

[یعنی] خدا نے ان کو منتشر اور پارہ پارہ کر کے ایسا تباہ و برباد کیا کہ بس ان کا وجود افسانوں ہی میں رہ گیا۔ [۱۹۳۳ء]

[۲]

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ (السجدہ ۳۲:۲۱) اُس 'عذابِ اکبر' سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے) عذاب کا مزا انھیں چکھاتے رہیں گے کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے) باز آجائیں۔

'عذابِ اکبر' سے مراد آخرت کا عذاب ہے، جو کفر و فسق کی پاداش میں دیا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں 'عذاب ادنیٰ' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس سے مراد وہ تکلیفیں ہیں، جو اسی دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں، مثلاً افرد کی زندگی میں سخت بیماریاں، اپنے عزیز ترین لوگوں کی موت، المناک حادثے، نقصانات، ناکامیاں وغیرہ۔ اور اجتماعی زندگی میں طوفان، زلزلے، سیلاب، وبائیں، قحط، فسادات، لڑائیاں اور دوسری بہت سی بلائیں، جو ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو اپنی لپیٹ میں

لے لیتی ہیں۔ ان آفات کے نازل کرنے کی مصلحت [قرآن کریم میں] یہ بیان کی گئی ہے کہ عذابِ اکبر میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی لوگ ہوش میں آجائیں اور اُس طرزِفکروعمل کو چھوڑ دیں جس کی پاداش میں آخرکار وہ بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالکل بخیریت ہی نہیں رکھا ہے کہ پورے آرام وسکون سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے کہ اُس سے بالاتر کوئی طاقت نہیں ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کررکھا ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد پر بھی اور قوموں اور ملکوں پر بھی ایسی آفات بھیجتا رہتا ہے، جو اسے اپنی بے بسی اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر سلطنت کی فرماں روائی کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ آفات ایک ایک شخص کو، ایک ایک گروہ کو اور ایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں، کہ اُوپر تمھاری قسمتوں کو کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ سب کچھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔ اصل طاقت اسی کارفرما اقتدار کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کی طرف سے جب کوئی آفت تمھارے اُوپر آئے، تو نہ تمھاری کوئی تدبیر اسے دفع کرسکتی ہے، اور نہ کسی جِنّ یا روح، یا دیوی اور دیوتا، یا نبی اور ولی سے مدد مانگ کر تم اس کو روک سکتے ہو۔ اس لحاظ سے یہ آفات محض آفات نہیں ہیں بلکہ خدا کی تنبیہات ہیں، جو انسان کو حقیقت سے آگاہ کرنے اور اس کی غلط فہمیاں رفع کرنے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ ان سے سبق لے کر دنیا ہی میں آدمی اپنا عقیدہ اور عمل ٹھیک کرلے تو آخرت میں خدا کا بڑا عذاب دیکھنے کی نوبت ہی کیوں آئے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ (السجدہ ۳۲:۲۲) اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جسے اس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے۔

’ربّ کی آیات‘، یعنی اُس کی نشانیوں کے الفاظ بہت جامع ہیں، جن کے اندر تمام اقسام کی نشانیاں آجاتی ہیں۔ قرآنِ مجید کے جملہ بیانات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں حسب ذیل چھے قسموں پر مشتمل ہیں:

۱- وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی

جاتی ہیں۔

۲- وہ نشانیاں جو انسان کی اپنی پیدایش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

۳- وہ نشانیاں جو انسان کے وجدان میں، اس کے لاشعور اور تحت الشعور میں، اور اس کے اخلاقی تصورات میں پائی جاتی ہیں۔

۴- وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔

۵- وہ نشانیاں جو انسان پر آفاتِ ارضی وسماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔

۶- اور ان سب کے بعد وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاعلیہم السلام کے ذریعے سے بھیجیں تاکہ معقول طریقے سے انسان کو انھی حقائق سے آگاہ کیا جائے، جن کی طرف اُوپر کی تمام نشانیاں اشارہ کررہی ہیں۔

یہ ساری نشانیاں پوری ہم آہنگی، اور بلند آہنگی کے ساتھ انسان کو یہ بتارہی ہیں کہ تو بے خدا نہیں ہے، نہ بہت سے خداؤں کا بندہ ہے، بلکہ تیرا خدا صرف ایک ہی خدا ہے جس کی عبادت واطاعت کے سوا تیرے لیے کوئی دوسرا راستہ صحیح نہیں ہے۔ تُو اس دنیا میں آزاد وخودمختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنا کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوکر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے عمل کے لحاظ سے جزا اور سزا پانا ہے۔ پس، تیری اپنی خیر اسی میں ہے کہ تیرے خدا نے تیری رہنمائی کے لیے اپنے انبیاعلیہم السلام اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے جو ہدایت بھیجی ہے، اس کی پیروی کر اور خودمختاری کی روش سے باز آجا۔

اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو، جس کی فہمایش کے لیے طرح طرح کی اتنی بے شمار نشانیاں فراہم کی گئی ہوں، اور جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان اور سوچنے کے لیے دل کی نعمتیں بھی دی گئی ہوں، وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سمجھانے والوں کی تذکیر ونصیحت کے لیے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے، اور اپنے دل ودماغ سے بھی اوندھے فلسفے ہی گھڑنے کا کام لیتا ہے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو بغاوت کی بھرپور سزا پائے۔[اگست ۱۹۶۱ء/ تفہیم القرآن، ج۴،ص ۴۷-۴۸]